تفسیر ماتریدی
تاویلات اهل السنہ

(۴)

محمد صغیر حسن معصومی

یہی حال منافقین کا آخرت میں ہوگا، کہ وہ دنیا میں یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت اگر ہوئی تو یہ لوگ ایمان والوں کے شریک ہوں گے چنانچہ وہ کہتے ہیں : انظرونا نقتبس من نور کم (الحدید : ۱۳) ''ہمیں دیکھو ہم تمہاری روشنی لے لیتے ہیں،'' اور ان کا قول ہے : الم نکن معکم (النساء : ۱۴۱، الحدید : ۱۴) کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے ؟،، تو یہ گویا ان کا اہل ایمان کے ساتھ مزاح کرنا ہوا، اور مکرو فریب، کہ ان کے احکام دنیا میں شریک رہے اور احکام آخرت میں مخالف۔

یہی مفہوم ہے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدنے کا یعنی ایسے امر سے جس میں نجات ہو اعراض کرکے ایسے امر کو اختیار کر لیں جس سے ہلاکت ہو۔

اس طرح ان لوگوں کی تاویل کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ منافقین کی طرف ضمیر نہیں لوٹتی بلکہ اہل کتاب مقصود ہیں، کہ اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، کیونکہ اپنی ساری منزل من اللہ کتابوں پر ایمان لائے تھے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر تھا، تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان لانے کے منافع تک پہنچ گئے اور آپ‌ؐ کو دیکھ لیا تو انہوں نے آپ‌ؐ کا انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انجام کار اپنی کتابوں سے منافع حاصل کرنے سے محروم رہ گئے،

اور جزاء کا معاینہ کرنے کے بعد ایمان سے محروم ہوگئے، جیسا کہ حضور ص کو دیکھنے کے بعد آپ ص پر ایمان لانے سے محروم رہ گئے، واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تاویل کو آنے والی آیت کے ساتھ منضم کیا ہے، یہ آیتیں "او کصیب من السماء (بقرة : ١٩) سے "و من الناس من یعبد اللہ علی حرف" (الحج : ١١) تک ہیں۔ وجہ یہ بیان کرتے ہیں، واللہ اعلم، کہ یہ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالی کو پوری طرح نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے اس وجہ سے کہ اللہ تعالی کو ان کے قبل والوں کی ربوبیت کا حق حاصل ہے، اور نہ آخرت پر ان کا ایمان ہے، کہ ان کے اعمال کے اچھے نتائج ہوتے، نہ ہی دنیا اور منافع دنیا کے سوا کسی چیز کو جانتے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنے دین اور اپنی عبادت کو دنیا کی قیمت قرار دیدیا۔

تو جب وہ لوگ دین اسلام میں دیکھتے ہیں کہ غنیمت کا مال ملتا ہے، سلامتی جان و مال ہے، تو وہ اپنی تجارت کو نفع بخش سمجھتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کے حصول میں جدو جہد کرنے لگتے ہیں۔

مگر جب شدت و آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں تو اپنی تجارت کو نقصان دہ سمجھتے ہیں اور اس دین کے سوا دوسرے دین کی طرف پھر جاتے

---

(١) عبد اللہ بن عباس بن عبدالمطلب، آنحضرت ص کے چچازاد بھائی تھے، ھجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سے لپٹا لیا، اور فرمایا: اللھم علمہ الحکمة، اے اللہ: ان کو حکمت سکھا دے، حضرت ابن عباس کو حبر العرب (عرب کا عالم) کہا جاتا ہے۔

ابو الحسن نے ابوبکرة سے روایت کی ،فرمایا، ابن عباس بصرہ میں ھمارے یہاں آئے، عرب میں ان کےمانند صاحب جاہ و حشمت، علم و جمال، خوش پوش اور صاحب کمال کوئی نہ تھا، جس سال حضرت عثمان شہید ہوئے، ان کے حکم سے لوگوں کے امیر مقرر ہوئے۔ بصرہ کا والی مقرر کیا، اور حضرت ابن عباس جنگ صفین میں میسرہ پر متعین تھے، طائف میں ٦٨ھ میں وفات پائی ابن الحنفیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ھیں، گویا ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو آگ جلاتا ہے، کہ اس کے روشن رکھنے میں کوشش کرتا ہے، کہ اس کو آگ کی روشنی کی ضرورت ہے۔ اپنے آپ کو گرم رکھنے اور کھانا پکانے نیز دوسری ضروریات کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ لیکن جب اس آگ کی روشنی سے اس کی آنکھ خیرہ ھوجاتی ہے تو آگ پر غصہ کرنے لگتا ہے کہ کہیں اس کی لپیٹ میں اس کی چیزیں نہ آجائیں اور مبادا وہ ان پوشیدہ منافع سے محروم رہ جائے جن سے آگ روشن نہ کرنے کی صورت میں بہرہور ھوسکتا تھا۔ یہی حال منافق کا ہے کہ جب اسلام کی راہ میں اس کو سختیوں کا سامنا ھوتا ہے تو آرزو کرنے لگتا ہے کاش ایمان کبھی نہ لاتے! یہی مفہوم ہے اللہ تعالی کے حسب ذیل اقوال و آیات کا:

۱ - ”و ان یات الاحزاب یودوا لو انھم بادون فی الاعراب (احزاب:۲۰)
اگر دشمن گروہ کے گروہ آگئے تو یہ لوگ آرزو کریں گے کہ کاش یہ عرب بدوؤں میں رہتے۔

۲ - لوکان لنا من الامرشئی ما قتلنا ھھنا (آل‌عمران:۱۵۴)
اگر ھمیں کچھ بھی اختیار ھوتا تو ھم یہاں پر قتل نہ کئے جاتے۔

۳ - قد اخذنا امرنا من قبل (توبہ:۵۰)
ھم نے پہلے ھی اپنا معاملہ ٹھیک کرلیا تھا۔

۴ - انعم اللہ علی اذ لم اکن معھم شھیدا (النساء:۷۲)
اللہ نے مجھ پر کرم کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔

اسی طرح جب بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں آدمی چلتا ہے۔ چنانچہ منافق جب اسلام میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے تو اس کی طرف آگے بڑھتا ہے، اور جب اس پر ظلمت (ایمان نہ ھونے کی وجہ سے) طاری ھوتی ہے تو غمزدہ حیران کھڑا رہ جاتا ہے کہ کاش! اسلام کی راہ اختیار نہ کرتا۔ واللہ الموفق۔

ابوبکر اصم[1] فرماتے ھیں : جو شخص ایمان ظاھر کرتا ھے اور نور ایمان سے آراستہ ھونے کا لوگوں میں دعوی کرتا ھے، اس کی مثال اس شخص کی ھے جو آگ روشن کرتا ھے اور آگ کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھ لیتا ھے، پھر آخرت میں اس کو اللہ تعالی اس نور سے محروم کردیتا ھے جیسا کہ (دنیا میں) پوشیدہ طور پر وہ خود اس نور سے محروم رھنے کی سعی کرتا رھا، اسی طرح آگ روشن کرنے والے کی آگ اللہ تعالی بجھا دیتا ھے اور آگ کے ماحول کی روشنی کی زینت جاتی رھتی ھے۔

فرمایا : بعض لوگوں نے کہا ھے کہ یہ لعنت ھے۔

جیسا کہ کہا جاتا ھے : اللہ تعالی نے اس کی روشنی کو بجھا دیا یعنی اس نور کو بجھا دیا جس کا اظہار کرتا تھا، تو منافق آخرت کی تاریکیوں میں حیران رہ جاتا ھے، اور آگ روشن کرنے والا رات اور عدم بصارت کی تاریکیوں میں حیران رھتا ھے۔

پھر فرمایا : اسلام کی دعوت کو پانی برسانے والے بادل سے تشبیہ دی گئی ھے۔ اور جہاد اور اس کے مصائب کو شب کی تیرگی سے اور غنیمت کے حصول

---

۱ - ابوبکر عبدالرحمن بن کیسان اصم کو مرتضی زیدی نے معتزلہ کے طبقۂ سادسہ میں شمار کیا ہے۔ بڑے فصیح اللسان ، فقیہ، صاحب ورع، جلیل القدر انسان تھے۔ سلطان ان سے خط و کتابت کرتاتھا کہا جاتا ہے کہ بصرہ کی مسجد میں ان کے ساتھ اسی شیوخ نماز ادا کرتے تھے۔ اپنی حیات میں ان کو ریاست حاصل تھی ۔ ابو الہذیل علاف ان سے مناظرے کرتا رھا۔ ان کی تفسیر پسندیدہ تھی۔

ابو علی اپنی تفسیر میں اصم کے سوا کسی کا ذکر نہیں کرتے۔ ابن علیہ نے ان سے ان کی تفسیر اخذ کی۔

علی عبدالرازق نے اپنی کتاب الاسلام و اصول الحکم (ص ۱۲، طبع ۱۹۲۵ء) میں غلطی سے ان کو مشہور بلخی زاھد حاتم اصم سمجھا، جن کی وفات ۲۳۷ھجری میں ھوئی۔ وہ ابوبکر اصم کے بہت بعد کے ھیں۔ اور ان کو علم کلام و سیاست سے کوئی دلچسپی نہ تھی،

ابو بکر بن کیسان ھارون الرشید و مامون کے زمانے میں بصرہ کے رھنے والے تھے، اور کبار معتزلہ میں شمار ھوتے ھیں ۔ دیکھئے المنیة و الامل لا حمد بن یحیی المرتضی ص ۳۲ - ۳۳، طبع حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۱٦ھ)

کو برق سے۔ اور اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں اس لئے ڈالتے تھے کہ اسلام قبول کرنے کی صعوبتوں اور سختیوں کی باتیں نہ سنیں ۔ ان شدائد کو کڑک اور رعد سے تشبیہ دی گئی ھے۔ ''یکاد البرق یخطف ابصارھم،، قریب ھے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو خیرہ کردے، یعنی اسلام قبول کرنے سے غنیمت کے حصول کی امید ان کو اسلام کی طرف بلاتی ھے۔

جب ان پر شدائد کی ظلمت چھاجاتی تو یہ لوگ کھڑے رہ جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرتے۔ اور اگر اللہ تعالی چاھتا تو ان کی روشنی کو دور کردیتا اور ان کو بہرا اور اندھا بنا دیتا۔

حضرت ابن عباس سے ضحاک[1] کے واسطے سے روایت ھے کہ بجلی اور آگ کی روشنی کو دوام نہیں، اس لئے اس کے ساتھ منافق کے ایمان کی تشبیہ بیان کی گئی ھے کہ یہ روشنی اور ایمان جلد زوال پذیر ھیں ۔

قتبی[2] فرماتے ھیں : منافق کفر کی تاریکی میں تھا، (بظاھر ایمان کے)

---

۱ ۔ ابوالقاسم ضحاک بن مزاحم بلخی خراسانی نے بہت سے صحابہ مثلاً حضرات ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید اور انس (رضی اللہ عنہم) وغیرہ سے روایت کی۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کسی صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ ثقہ، مامون سمجھے جاتے ھیں۔ ان کی ملاقات سعید بن جبیر سے رھی جن سے انھوں نے تفسیر اخذ کیا۔ تفسیر میں ان کی ایک کتاب ہے۔ بچوں کے معلم تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مدرسے میں تین ہزار بچے علم و ادب سیکھتے تھے۔ ابن حبیب نے ان کا ذکر فقہاء و اشراف معلمین میں کیا ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۷۱، تاریخ خمیس ج ۲ ص ۳۱۸، المحبر ص ۴۷۵ ۔

۲ ۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ دینوری فارسی خاندان سے تھے۔ مامون کی خلافت کے آخری دور میں ۲۱۳ھ میں پیدا ھوئے۔ سمعانی اور قفطی کے بیان کے مطابق بغداد میں پیدا ھوئے۔ ابن الندیم، ابن الانباری اور ابن الاثیر کے قول کے مطابق کوفہ میں پیدا ھوئے۔ اور اس پر سب متفق ھیں کہ نشوونما بغداد میں پائی۔ ان کے اساتذہ میں ان کے والد مسلم بن قتیبہ بھی ھیں۔ ابن قتیبہ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ابو العلاء معری کے بیان کے مطابق ان کی تعداد پینسٹھ (۶۵) ہے۔ تاویل مشکل القرآن، تفسیر غریب القرآن، عیون الاخبار، ادب الکاتب، الشعر و الشعراء المسائل و الاجوبۃ فی الحدیث واللغۃ، اور الاختلاف فی اللفظ و الرد علی الجھمیۃ والمشبہ، نیز الاشربۃ مطبوعہ ھیں۔ وفات معتمد کی خلافت میں یکم رجب ۲۷۶ ہجری میں ھوئی، دینور میں قضاء کے منصب پر فائز تھے۔ دیکھئے التھذیب الازھری ص ۱۳، مراتب النحویین لابی الطیب ص ۱۳۷، النجوم الزاھرہ لا بن تغری بردی ج ۳ ص ۷۵، وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۲۴۶ ۔

نور سے ھدایت ملی، جیسے آگ جلانے والا رات کی تاریکی میں آگ کی روشنی سے نفع اٹھاتا ھے۔

اسی طرح سالک رات کے اندھیرے میں متحیر رہ جاتا ھے۔ جب اس کی روشنی گل ھوجاتی ھے یا بجلی کی چمک ختم ھوجاتی ھے تو تاریکی ھی تاریکی رہ جاتی ھے۔

اصل بات یہ ھے کہ اللہ تعالی نے اس دنیا کو دارالمحن بنایا ھے، لوگوں کو محنت کے لئے پیدا کیا ھے، اور ان کی جزا کے لئے ایک دوسرا گھر بنایا ھے، جو اگر پیدا نہ کیا جاتا تو اس گھر کی پیدایش معہ ساری کائنات کے عبث ھوتی۔ کیونکہ عقل اس کو عبث سمجھتی ھے کہ ایک مخلوق کو مٹانے کے لئے پیدا کیا جائے، اور اس کی پیدائش سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جائے۔ ایسی شریعت کا موجد جس کا کوئی انجام نہ ھو کھلاڑی کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ھے یا جس شریعت کا کوئی مطلب و مقصد عقل میں نہ آئے اس کا بانی بیھودہ اور بیکار ھی کہلائے گا۔ اللہ تعالی نے اسی لئے فرمایا ھے: افحسبتم انما خلقنا کم عبثا و انکم الینا لا ترجعون (المومنون: ۱۱۵): کیا تمھارا خیال ھے کہ ھم نے تم لوگوں کو عبث پیدا کیا اور یہ کہ تم ھماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

جب یہ حقیقت ھے تو یہ دنیا خود دوسری دنیا (آخرت) کی دلیل ھے۔ اور اسی بنا پر یہ دنیا علم و معرفت کے لئے دوسری دنیا کی مثال بنائی گئی ھے۔ کیونکہ اسی دنیا کے ذریعہ ھم آخرت کو پہچان سکتے ھیں۔ اور یہی وجہ ھے کہ اللہ تعالی نے دو آزمایشوں کو پیدا کیا ھے کہ تکلیف و اذیت اور عیش و لذت چکھیں، تاکہ جن تکالیف کی وعید آئی ھے اور جن لذتوں کی رغبت دلائی گئی ھے ان کے اندازے کی معرفت حاصل کریں۔

اسی بنا پر اللہ تعالی نے اس شخص کی مثال بیان کی ھے جو آخرت سے

نابلد اور اندھا ہے اور آخرت کی رغبت والی چیزوں کے سننے سے بہرا ہے، یا جو اللہ تعالی کے امر اور نہی کو نہیں دیکھ سکتا، یا وہ اندھا، بہرا اور مردہ جیسے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ بصارت، سمع اور حیات سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ یہ اعضاء اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ تامل و تدبر سے اپنے سے اوجھل چیزوں کو دریافت کرے۔ مگر جب دریافت نہ کرسکا اور غفلت کا شکار ہوا تو اندھے، بہرے، جیسے الفاظ سے موسوم ہوا۔ ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ اگر عالم آخرت اور دارالجزاء نہ ہوتے تو کسی چیز کی پیدایش کی حکمت ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔

اسی طرح نور قلب کے جس سے انسان انجام کار کو دیکھتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے، جاتے رہنے کی مثال نور بصر کے جاتے رہنے سے دی گئی ہے، کیونکہ آنکھ کی روشنی سے آدمی دنیا کے منافع کو دیکھتا ہے اور جب منافع سے بہرہ اندوز نہیں ہوتا تو گویا نور بصر سے محروم ہے، یہی حال سمع وغیرہ کا ہے۔ یہ دونوں مثالیں کفار و منافقین پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔

چنانچہ منافق درحقیقت ایمان کے نور سے محروم ہوتا ہے گویا نور بصر سے محروم رہا اس لئے آگ کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھا سکا حالانکہ یہ روشنی ہر آنکھ والے کے لئے مفید ہے۔ اسی طرح آگ کے دوسرے فوائد سے محروم رہا، تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو حیات اور دل کی روشنی سے محروم ہوگیا تو آخرت کے نور اور جزاء و انعامات سے محروم رہ گیا۔

اسی طرح (اس شخص کی مثال بھی صادق آتی ہے) جو بجلی چمکنے کے بعد حیران کھڑا رہ جاتا ہے، روشنی کے چمکنے سے راستہ دیکھتا ہے مگر چونکہ (منافق) اس روشنی سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اشیاء کے عواقب سے محروم رہ جاتا ہے، تو گویا اس شخص کی طرح ہوگیا جس کی آنکھ بجلی چمکنے سے خیرہ ہوجاتی ہے اور جو کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

بلکه جو شخص بجلی کے کوندنے سے راستہ چلنے کا قصد کرتا ہے، اور آگ کی لو سے فائدہ اٹھانا چاھتا ہے، جب بجلی اور آگ جاتی رھتی ہے تو اسے زیادہ افسوس ھوتا اور آگ سے نیز سخت بارش سے اور راستے کے خبائث سے خائف رھتا ہے، که ابتداء میں (ان چیزوں سے بے بہرہ ھوکر) برق و باران سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور بارش اور آگ سے تنگ آجاتا ہے، حالانکه بارش کی رغبت رکھتا ہے، آخرت میں منافق کا یہی حال ھوگا کیونکه اس کا ظاھر باطن ایک نه تھا، کچھ فائدہ ظاھری ایمان کا ملا، مگر اب بدترین جگه اپنا ٹھکانه پائے گا۔ اور برائیوں سے بچنے کی طاقت الله کی توفیق سے پیدا ھوتی ہے۔

کافر بھی اپنی آنکھ سے فائدہ نہیں اٹھاتا، ظاھری بینائی کے انجام کو نہیں دیکھتا، اور نه الله کی دی ھوئی سننے کی نعمت سے انجام کار کو سنتا ہے، حالانکه سننے کا نتیجه یه ھونا چاھئے تھا که سنکر عقل سے حقیقت حال کا ادراک کرتا اور عبرت حاصل کرتا که کوئی شے استحقاق کے لئے پیدا نہیں ھوئی ہے اور نه عقل الله بزرگ و برتر کے سارے رازوں اور ساری حکمتوں کا احاطه کرسکتی ہے، تاکه جان لے که الله کی نعمتیں عظیم ھیں، اور عبث سے پاک ھیں اور اس کا فریضه ہے که ادائے شکر کے لئے تیار ھوجائے اور آخرت کی جزاء کا مستحق بنے۔ نیکی کی قوت الله ھی کی توفیق سے ملتی ہے۔

وقوله عزوجل: ''صم، بکم، عمی فهم لایرجعون،، یه بہرے ھیں، گونگے، اندھے ھیں تو وہ (حق کی طرف) نہیں رجوع کرتے،،۔ دو احتمال ھیں: (۱) بہرے ھیں، کیونکه ان کے کانوں پر مہر ہے، اور ان کے دلوں پر مہر ہے، تو نه وہ سنتے ھیں اور نه دیکھتے ھیں نه سمجھتے ھیں۔

(۲) دوسرا احتمال یه ہے که وہ بہرے، گونگے اور اندھے ھیں، کیونکه اپنے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

الله تعالی کی طرف استہزاء کی نسبت کرنے کے جواز میں اختلاف ہے:

کچھ لوگ جواز کے قائل ھیں اگرچہ مخلوق سے یہ فعل قبیح سمجھا جاتا ھے ، کیونکہ یہ بات قبیح ھے کہ کوئی شخص کسی کا استہزاء کرے اس کی جہالت کی وجہ سے، یا کسی قبیح جبلت و عادت کی وجہ سے یا کسی چیز کی زیادتی کی وجہ سے۔ یہ اس لئے کہ استہزاء کرنے والے کے متعلق یہ ظاھر ھے کہ اللہ تعالی کے انعام سے غفلت کرنے والا ھی ایسے شرمناک روئیے کا مرتکب ھوسکتا ھے، یا پھر وہ جبلی دناءت کی وجہ سے استہزاء کے شغل کا شکار ھوا، ساتھ ھی اللہ کی نعمتوں سے غفلت برتنے کی وجہ سے مزید وحشت کا شکار ھوا اور (اس نفسیاتی) حالت میں استہزا جیسے قبیح فعل کا مرتکب ھوا ھو۔

انہی باتوں کے پیش نظر اللہ عزوجل نے فرمایا ھے : لایسخر قوم من قوم عیسیٰ ان یکونوا خیراً منھم (الایة الحجرات : ۱۰) کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ھو سکتا ھے کہ وہ لوگ جن کا مذاق اڑایا جاتا ھے ان سے بہتر ھوں (جو مذاق اڑاتے ھیں)۔

اور یہ (استہزاء) مثل تکبر ھے : کہ بڑائی چاھنا مخلوق کے لئے قبیح ھے، کیونکہ خلق میں شکلیں نئی سے نئی پیدا ھوتی رھتی ھیں، اور صنعت (و حرفت) کے طرح طرح کے آثار ظاھر ھوتے رھتے ھیں، اور پھر ھر ایک مختلف احتمالات کا حامل ھوتا ھے۔ استہزاء کی نسبت اللہ کی طرف جایز ھے، کیونکہ اشباہ و اشکال سے منزہ ھے، اور غیر کے احتمالات سے بالکل بری، اسی قول کا اظہار کیا ھے حسین نجار نے[1]

---

۱ - عبداللہ حسین بن محمد بن عبداللہ نجار، عباس بن محمد ھاشمی کے نقش قدم پر چلنے والا نورباف تھا، عقیدۂ جبر رکھنے والے متکلمین میں سے تھا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ تولنے کا کام کیا کرتا تھا، جب گفتگو کرتا تو اس کی آواز حفاش کی آواز جیسی سنائی دیتی تھی۔
نظام کے ساتھ اس کے مناظرے اور مجلسیں مشہور ھیں۔ اس کی موت کا سبب یہ ھوا کہ ایک دن نظام کے ساتھ مناظرہ کیا، اور نظام نے اس کو لاجواب کردیا نہایت طیش میں مجلس سے اٹھا تو سخت حرارت تھی جو بڑھتی گئی اور اس کے بعد موت واقع ھوئی۔ ابن الندیم نے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی چند تصنیفات بھی گنائی ھیں۔ (الفھرست ص ۲٦۸ مصر)۔ فرقۂ نجاریہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ دیکھئے مقالات الاسلامیین ۳۱۵/۱، الملل والنحل ۸۸/۱، التبصیر ٦۱، الفرق بین الفرق ۲۰۸)۔

کچھ لوگوں نے انکار کیا ہے کہ استہزاء کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اس سے ایسے حالات مترتب ہوتے ہیں جو سامع کو استہزاء کے مفہوم کی طرف پھیر دیتے ہیں، مثلاً اللہ کے کسی فعل کے بعد جزاء کا ذکر آئے، تو اس سے استہزاء کی جزاء سمجھ میں آتی ہے، جیسے جزاء اور مکر میں بڑے بدلہ کا ذکر ہے، یا اسی طرح کا کوئی فعل مذکور ہو۔

پھر ہمارے مسلک کے موافق چند وجوہ کی تخریج کی گئی ہے۔

ایک وجہ وہ ہے جس کا بیان گذر چکا۔

دوسری وجہ وہ ہے جس کی طرف مامور کا فعل منسوب ہے، جیسے آخرت میں منافقین کو اھل ایمان کہیں گے: ''ارجعوا وراءکم،، (الحدید: ١٣) (پیچھے لوٹ جاؤ)، اھل جنت اھل نار کو نکلنے کی دعوت دیں گے اور کہیں گے: بشرطیکہ کلبی (اسکا حال گزر چکا) نے جو کچھ ذکر کیا ہے پایۂ ثبوت کو پہنچے، نیز فرشتوں کا قول ہے: ''فادعوا وما دعاء الکافرین الا فی ضلال (الرعد ١٤: المومن ٥٠) تو تم ھی دعا کرو اور کافروں کی دعا بیکار ھوگی،، وغیرہ وغیرہ۔

وقولہ: ''او کصیب من السماء فیہ ظلمات و رعد و برق یجعلون اصابعھم فی اذانھم من الصواعق حذر الموت واللہ محیط بالکافرین، یکاد البرق یخطف ابصارھم کلما اضاء لھم مشوا فیہ، واذا اظلم علیھم قاموا، ولوشاءاللہ لذھب بسمعھم و ابصارھم ان اللہ علی کل شئی قدیر،،۔

یا آسمان کی گھنگور گھٹا کے مثل ھیں جس میں تیرگی، کڑک اور بجلی ہے، لوگ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں کرخت آوازوں کی وجہ سے موت سے ڈرتے ہوئے رکھ لیتے ھیں۔ اللہ تعالی کافروں کو اپنے گھیرے میں لئے ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو چکاچوند کردے، جب بھی ان کے لئے بجلی چمکتی ہے اس کی روشنی میں وہ لوگ چلتے ھیں، اور جب تیرگی چھا جاتی

ھے تو ٹھیر جاتے ھیں، اگر اللہ تعالی چاھتا تو ان کے کان اور آنکھوں کو بیکار کردیتا ۔ بے شک اللہ تعالی ھر شے پر قادر ھے ۔

پھر تاریکیوں کا ذکر تین طرح قابل فہم ھے :-

۱ ۔ ان منافقین کے دلوں میں ان کے کفر کی تاریکیاں ھیں، کیونکہ انھوں نے اولاً ایمان کا اظہار کیا ۔

۲ ۔ قرآن کے متشابہات، جن میں بہت سے مشرکین مبتلا ھوگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آیت پاک : فاماالذین فی قلوبھم زیغ (آل عمران : ۷) جن کے دلوں میں کھوٹ ھے ۔ ۔ ۔ ،،

۳ ۔ اسلام میں جہاد و حدود کے مخاوف اور طرح طرح کی شدتیں (تاریکیوں ھی کے مثل ھیں) ۔ اول و آخر کو دونوں فریق کفار و منافقین کی طرف پھیر سکتے ھیں اور متشابہ کی تاویل کو صرف کافر کی طرف ۔

علاوہ ازیں ھم بیان کرچکے ھیں کہ ان میں ھر ایک کا حصہ ھوگا ۔ اور آیت کا آخری حصہ : واللہ محیط بالکافرین،، اس بات پر دال ھے کہ مثالیں انھی کافروں کے لئے ھیں، البتہ اھل نفاق کفر میں اھل کفر کے شریک ھیں، واللہ الموفق ۔

یہ کہنا بھی ممکن ھے کہ یہ مثل ان لوگوں پر صادق آتی ھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کی نبوت کا دعوی سنا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ دو طرح کے تھے :-

۱ ۔ ایک گروہ اھل کتاب کا تھا، اور ان کی کتاب کسی رسول پر نازل ھوئی تھی (توریت، انجیل یا زبور) لیکن ان کے سربراھوں نے ان ساری باتوں کو بدل دیا تھا جن کا تعلق اللہ تعالی کے احکام و دین سے تھا، جن کو انھوں نے

معطل کردیا تھا، اور رسولوں کے لائے ہوئے احکام اور دینی باتوں کو دوسرے احکام اور من مانی باتوں سے بدل دیا تھا۔

اس بات کی صداقت ان آیات کریمہ سے ظاہر ہے: ولا تکونوا کالذین تفرقوا (آل عمران: ۱۰۵) نہ ہوجاؤ ان لوگوں کی طرح جو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ ”قد جاء کم رسولنا یبین لکم (المائدہ: ۱۵) ہمارے رسول آگئے جو تمہارے لئے بیان کرتے ہیں۔ و قولہ: ان الذین فرقوا دینھم (الانعام: ۱۵۹) بے شک کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو الگ الگ کردیا۔

اہل کتاب میں سے بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے کتاب ایجاد کی اور اپنی طرف اس کو منسوب کرلیا، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ”وان منھم لفریقا یلوون السنتھم بالکتاب (آل عمران: ۷۸) اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب (یعنی منزل من اللہ) کے ساتھ ملوث کرتے ہیں۔

اہل کتاب کی آپس میں فرقہ بندیوں اور آپس کے تفرق و تشتت کا حال ظاہر ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ اپنے نبیوں کے بارے میں اور اللہ تعالی کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے اور کیا کچھ کہتے تھے، یہ بھی معلوم ہے کہ رسولوں کا دین ایک ہی ہے، جس میں کوئی اختلاف نہیں، طویل زمانہ گذرنے کی وجہ سے کتابیں پرانی ہو گئیں، رسوم مٹ گئے اور لوگ سخت گمراہی اور ورطۂ ضلالت میں پڑگئے، اور شیطانی راہ میں بھٹکتے پھرے۔ اور ان آئمہ کرام سے جن سے دینی اعتماد کی توثیق ہوتی سارے رشتے کٹ گئے، اور اب کسی کے پاس کوئی برہان یا دلیل نہ رہی جس سے پیغمبروں کے راستے پر گامزن ہوتے اور پیغمبروں کی کتابوں کے سختی سے پیروکار ہوتے۔ اس لئے کہ سب کے سب انبیاء کی راہ پر چلنے کا دعوی کرتے ہیں، اور حال یہ ہے کہ ان میں ایسے مخالفانہ افکار کا غلبہ ہے، جنہیں حکمت و دانشمندی برداشت نہیں کرسکتی اور نہ عقل قبول کرسکتی ہے۔ (باقی)